Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:3، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

اردو ادب میں سائنس فکشن: معاصر صورتحال، مسائل اور امکانات

Science Fiction in Urdu Literature: Contemporary Scenario, Challenges, and Opportunities

Muhammad Saleem Akhtar
School Education Department, Lodhran
mistersaleemakhtar@gmail.com

Dr. Shahid Hussain
Lecturer Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur
shahidhussain@iub.edu.pk

Rabia Basri
M.Phil Research Scholar Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur
rabiabasri4555@gmail.com

محمد سلیم اختر
سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، لودھراں

ڈاکٹر شاہد حسین
لیکچرر شعبہ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

رابعہ بصری
ایم۔فل ریسرچ اسکالر شعبہ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

Abstract

This paper presents a comprehensive analysis of science fiction within Urdu literature, charting its historical development, examining its contemporary challenges, and exploring its future possibilities. The study traces the genre's lineage from proto-science fiction elements found in classical epics like Tilism-e-Hoshruba to its formal emergence in the 20th century. A significant portion of the analysis is dedicated to the pioneering work of Ibn-e-Safi, who skillfully fused science fiction with the popular detective genre, creating a unique "Spy-fi" niche that introduced concepts of robotics, advanced technology, and clandestine scientific organizations to a wide readership. The narrative also acknowledges the foundational contributions of subsequent authors like Izhar Asar, who wrote prolifically within the genre, and the literary validation it received from esteemed figures such as Ashfaq Ahmed.Despite these contributions, the article argues that science fiction remains a marginalized genre in Urdu. It identifies several critical deterrents: a societal deficit in scientific temperament, the historical dominance of traditional literary forms like poetry and social realism, and a rigid critical environment that often prioritizes established Western theoretical frameworks over genre experimentation, thereby discouraging creative innovation. However, the contemporary landscape offers signs of promise, particularly in children's literature, where authors like Tasneem Jafri are effectively using the genre to cultivate scientific curiosity. Conclusively, the paper posits that the 21st century presents immense opportunities for the genre's growth. Urgent contemporary themes such as artificial intelligence, biotechnology, digital surveillance, and climate change provide fertile ground for new narratives. Furthermore, modern forms like micro-fiction offer a potent vehicle for conveying complex ideas effectively. The article concludes by affirming the vital social function of science fiction as an "early warning system" that critically reflects on present trends to help envision and navigate the future.

Keywords: *Urdu Literature, Science Fiction, Contemporary Literature, Literary Criticism, Speculative Fiction, Ibn-e-Safi, Spy-fi, Cyberpunk, Proto-Science Fiction, Literary Challenges, Future of Literature.*

کلیدی الفاظ: اردو ادب، سائنسی فکشن، معاصر ادب، ادبی تنقید، تخیلاتی فکشن، ابنِ صفی، جاسوسی فکشن، سائبر پنک، اوّلیہ سائنسی فکشن، ادبی چیلنجز، ادب کا مستقبل

ادب اور سائنس، انسانی فکر کے دو ایسے دھارے ہیں جو بظاہر متضاد سمتوں میں بہتے نظر آتے ہیں۔ جہاں ادب کا خمیر تخیل، جذبات اور انسانی نفسیات سے اٹھتا ہے، وہیں سائنس کی بنیاد ٹھوس حقائق، منطق اور مشاہدے پر قائم ہے۔ تاہم، ادب کی ایک صنف ایسی بھی ہے جو ان دونوں کناروں کے درمیان ایک پُل کا کردار ادا کرتی ہے اور فکشن کے تخیل کو سائنس کی صلابت کے ساتھ ملا کر ایک نئی ادبی کائنات تخلیق کرتی ہے۔ یہ صنف "سائنس فکشن" کہلاتی ہے، جو نہ صرف حال کے سائنسی شعور کی عکاسی کرتی ہے بلکہ مستقبل کے ممکنہ خدوخال کی پیش بندی بھی کرتی ہے۔ سائنس فکشن، ادب کی ایک ایسی منفرد اور ہمہ جہت صنف ہے جو انسانی تخیل کو سائنسی منطق کے تابع رکھ کر حال کی حقیقتوں سے مستقبل کے امکانات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم محض سائنسی معلومات یا نظریات کو کہانی کے پیرائے میں بیان کر دینے تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جس میں مصنف سائنسی ترقی کے انسانی معاشرت، تہذیب، نفسیات اور وجود پر مرتب ہونے والے ممکنہ اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ صنف ادب اور سائنس کے مابین موجود ظاہری تضاد کو ختم کر کے ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیتی ہے جہاں قیاس (Speculation) اور حقیقت پسندی (Realism) ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

اس صنف کے معانی کو سمجھنے کے لیے اس کے کلیدی جزو، یعنی "سائنسی قیاس" (Scientific Speculation) پر غور کرنا ضروری ہے۔ سائنس فکشن کا مصنف ایک بنیادی سوال "کیا ہو اگر؟" (What if?) سے اپنی تخلیقی کائنات کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ سوال کسی نئی تکنیکی ایجاد (مثلاً ٹائم مشین)، کسی سائنسی دریافت (مثلاً دوسری دنیا میں زندگی) یا انسانی ارتقاء کے کسی نئے مرحلے سے متعلق ہو سکتا ہے۔ مصنف اس ایک قیاس کو بنیاد بنا کر ایک ایسی متبادل دنیا تخلیق کرتا ہے جو ہماری جانی پہچانی دنیا سے مختلف تو ہوتی ہے، لیکن اس کی بنیادیں قوانینِ فطرت اور سائنسی منطق پر استوار ہوتی ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو اسے خالص فینٹسی (Fantasy) سے ممتاز کرتا ہے، جہاں واقعات کی بنیاد جادوئی اور مافوق الفطرت عناصر پر ہوتی ہے۔ کنگزلے آئمس (Kingsley Amis) اس فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "Science fiction is that class of prose narrative treating of a situation that could not arise in the world we know, but which is hypothesized on the basis of some innovation in science or technology, or pseudo-science or pseudo-technology."
>
> ترجمہ: "سائنس فکشن نثری بیانیہ کی وہ صنف ہے، جو ایک ایسی صورت حال کا بیان کرے جو اس دنیا میں وقوع پذیر نہیں ہو سکتی جسے ہم جانتے ہیں، مگر جس سے سائنس یا ٹیکنالوجی میں کسی جدت یا سوڈو سائنس یا سوڈو ٹیکنالوجی کی بنا پر فرض کر لیا جاتا ہے۔"([1])

اس تعریف سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ سائنس فکشن کی دنیا اگرچہ خیالی ہے، لیکن وہ غیر منطقی یا غیر عقلی نہیں ہے۔ اس کا مقصد قاری کو ایک ایسی ذہنی ورزش فراہم کرنا ہے جہاں وہ سائنسی اصولوں کی روشنی میں نئے امکانات پر غور کر سکے۔ اسی لیے اسے "نئے خیالات کا ادب"

(Literature of Ideas) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ محض کرداروں اور واقعات کی کہانی نہیں، بلکہ ان تصورات اور نظریات کی کہانی ہے جو ان کرداروں اور واقعات کو جنم دیتے ہیں۔

سائنس فکشن کے مفہوم کا ایک اور اہم پہلو اس کا "مستقبل بین" (Futuristic) ہونا ہے۔ اگرچہ تمام سائنس فکشن مستقبل کے بارے میں نہیں ہوتا (بعض کہانیاں متبادل حال یا ماضی سے بھی تعلق رکھتی ہیں)، لیکن اس کا غالب رجحان مستقبل کی طرف ہوتا ہے۔ یہ صنف انسانیت کو درپیش چیلنجز اور مواقع کا جائزہ لینے کے لیے ایک تجربہ گاہ فراہم کرتی ہے۔ کیمبرج ڈکشنری اس کی تعریف اسی حوالے سے کرتی ہے:

"A type of writing about imagined developments in science and their effect on life esp. in the future."

"تصنیف کی ایسی قسم جو سائنس کی قیاسی ترقیات اور زندگی پر، بالخصوص مستقبل میں، ان کے اثرات سے متعلق ہو۔"(2)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ سائنس فکشن نگار کوئی نجومی یا پیش گو ہوتا ہے، بلکہ وہ حال میں موجود سائنسی، سماجی اور سیاسی رجحانات کو ان کی منطقی انتہا تک پہنچا کر مستقبل کی ایک ممکنہ تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ تصویر ایک روشن اور مثالی معاشرے (Utopia) کی بھی ہو سکتی ہے اور ایک تاریک اور خوفناک دنیا (Dystopia) کی بھی۔ دونوں صورتوں میں اس کا مقصد قاری کو حال پر تنقیدی نظر ڈالنے اور مستقبل کی تشکیل میں اپنی ذمہ داری کا احساس دلانے پر اکساتا ہے۔

ادب میں سائنس فکشن کا مفہوم ایک ایسے عقلی اور تخیلاتی بیانیے کا ہے جو سائنسی علم کو بنیاد بنا کر انسانی وجود اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کے نئے پہلوؤں کو دریافت کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جو ہمیں نہ صرف حیرت اور تجسس کی دنیاؤں کی سیر کراتی ہے بلکہ خود ہمارے اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں گہرے سوالات اٹھانے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ یہ ادب اور سائنس کے سنگم پر کھڑی ایک ایسی صنف ہے جو انسانی فکر کو محدود دائروں سے نکال کر لامحدود امکانات کی وسعتوں سے روشناس کراتی ہے۔

انگریزی ادب میں سائنس فکشن کی روایت ایک گہری اور متنوع تاریخ کی حامل ہے، جس نے نہ صرف عالمی ادب کو متاثر کیا بلکہ اردو سمیت دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی اس صنف کے لیے راہیں ہموار کیں۔ اگرچہ اس کے ابتدائی نقوش قدیم داستانوں اور خیالی سفر ناموں میں ملتے ہیں، لیکن جدید سائنس فکشن کا باقاعدہ ظہور انیسویں صدی کے سائنسی اور صنعتی انقلاب کے ساتھ ہوا، جب انسانی تخیل نے ٹیکنالوجی کے ممکنہ مستقبل اور اس کے انسانی معاشرت پر اثرات کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔

سائنس فکشن کا ارتقائی سفر صدیوں پر محیط ہے۔ اس کے ابتدائی نقوش (Proto-Science Fiction) دوسری صدی عیسوی کے یونانی مصنف لوسیان آف ساموساتا کی تحریر "True History" میں ملتے ہیں، جس میں خلائی سفر اور دیگر سیاروں کی مخلوق کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح، دسویں صدی کی جاپانی کہانی "بانس کاٹنے والے کی کہانی" اور تیرہویں صدی میں ابن النفیس کے ناول "الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ" میں بھی ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو جدید سائنس فکشن کا پیش خیمہ کہے جاسکتے ہیں۔ تاہم، جدید سائنس فکشن کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی میں ہوا جب صنعتی اور سائنسی انقلاب نے انسانی تخیل کو نئی پرواز دی۔

اس صنف کی بنیاد رکھنے کا سہرا اکثر میری وولسٹون کرافٹ شیلی (Mary Wollstonecraft Shelley) کے سر باندھا جاتا ہے، جن کا 1818ء میں شائع ہونے والا ناول "Frankenstein" جدید سائنس فکشن کا نقطۂ آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ناول اس لیے ایک سنگِ میل کی

حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں محیر العقول واقعات کا سبب کوئی جادوئی یا مافوق الفطرت قوت نہیں، بلکہ ایک سائنس دان کا تجربہ ہے جس کے اخلاقی اور وجودی نتائج پوری کہانی کا محور ہیں۔ یہ ناول "سر پھرے سائنس دان" (Mad Scientist) کے اس تصور کو جنم دیتا ہے جو بعد میں سائنس فکشن کا ایک اہم جزو بن گیا۔ شیلی کی اسی اولین اور بنیادی خدمت کے اعتراف میں انہیں ایک بلند مقام دیا گیا ہے:

> "زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ Marry Shelley کا ناول Frankenstion پہلا ماڈرن سائنس فکشن ہے اور اسی بنا پر شیلے کو "مدر آف ماڈرن سائنس فکشن" کہا جاتا ہے۔"(3)

میری شیلی کے بعد، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہربرٹ جارج ویلز (H. G. Wells) نے اس صنف کو فکری اور فلسفیانہ گہرائی عطا کی۔ انہیں بجا طور پر جدید سائنس فکشن کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اپنے ناولوں مثلاً "The Time Machine" (1895ء)، "The Invisible Man" (1897ء)، اور "The War of the Worlds" (1898ء) کے ذریعے ویلز نے نہ صرف ٹائم ٹریول، غیر مرئی انسان اور خلائی مخلوق کے حملے جیسے لازوال موضوعات متعارف کروائے، بلکہ سائنسی ترقی کے ممکنہ سماجی، سیاسی اور اخلاقی مضمرات پر بھی گہری تنقید کی۔ ان کے ہم عصر فرانسیسی ادیب جولس ورن جہاں سائنسی مہم جوئی پر زور دیتے تھے، وہیں ویلز کا اصل میدان سائنس کے انسانی تہذیب پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ تھا۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے بعد انگریزی سائنس فکشن "پلپ میگزینز" (Pulp Magazines) کے ذریعے ایک مقبولِ عام صنف کے طور پر ابھرا۔ ہیوگو جرنزبیک کے رسالے "Amazing Stories" (1926ء) اور جان ڈبلیو کیمپبل کے "Astounding Stories" (1937ء) نے سائنس فکشن کو ایک منظم شکل دی اور نئے لکھنے والوں کی ایک پوری نسل کو متعارف کرایا۔ کیمپبل کی ادارت میں سائنس فکشن کا "سنہرا دور" (Golden Age) شروع ہوا، جس میں آئزک آسیموو، آرتھر سی کلارک اور رابرٹ اے ہینلین ایسے قد آور نام سامنے آئے۔ اس دور میں سائنس فکشن محض مہم جوئی اور سنسنی خیزی سے آگے بڑھ کر انسانی نفسیات، سماجیات اور فلسفے کے گہرے سوالات سے جڑ گیا۔ آسیموو نے روبوٹکس کے تین قوانین وضع کیے، کلارک نے خلائی سفر کو حقیقت کے قریب تر دکھایا اور ہینلین نے سیاسی اور سماجی موضوعات کو سائنس فکشن کا حصہ بنایا۔

1960ء اور 70ء کی دہائیوں میں "نئی لہر" (New Wave) کی تحریک نے سائنس فکشن میں نئے ادبی اور فنی تجربات کی راہ کھولی۔ اس تحریک سے وابستہ ادیبوں، مثلاً جے۔ جی۔ بیلارڈ (J. G. Ballard) اور برائن ایلڈس (Brian Aldiss)، نے "ہارڈ سائنس" کے بجائے "سافٹ سائنس" یعنی انسانی نفسیات، منشیات اور جنس ایسے موضوعات پر توجہ مرکوز کی اور اسلوب میں جدیدیت کے عناصر شامل کیے۔ اس کے بعد 1980ء کی دہائی میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے انقلاب نے "سائبر پنک" (Cyberpunk) تحریک کو جنم دیا:

> "1984ء میں William Gibson کا ناول Neuromancer شائع ہوا جو سائبر پنک تحریک کا سب سے کامیاب ناول مانا جاتا ہے۔ 1980 کی دہائی میں بہت سارے سائبر پنک ناول اور افسانے لکھے گئے۔"(4)

اس کے بعد جولس ورن اور ایچ۔ جی۔ ویلز نے اس صنف کو نئی بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ جولس ورن نے اپنی تحریروں مثلاً "Twenty Thousand Leagues Under the Sea" میں مہم جوئی کو سائنسی تفصیلات کے ساتھ پیش کیا، جبکہ ایچ۔ جی۔ ویلز نے "The Time Machine" میں سائنسی ایجادات کے سماجی اور فلسفیانہ اثرات پر غور کیا۔ بیسویں صدی میں "پلپ میگزینز" کے عروج اور جان ڈبلیو کیمپبل

ایسے مدیران کی سرپرستی میں سائنس فکشن کا "سنہرا دور" (Golden Age) شروع ہوا، جس نے آئزک آسیموو اور آرتھر سی کلارک ایسے بڑے نام متعارف کروائے۔

یہ تحریک ورچوئل رئیلٹی، مصنوعی ذہانت اور ٹیکنالوجی کے زیرِ اثر انحطاط پذیر انسانی معاشرے ایسے موضوعات سے عبارت تھی۔ آج بھی انگریزی سائنس فکشن ورنر وِنج (Vernor Vinge) اور اسٹیفن بیکسٹر (Stephen Baxter) ایسے مصنفین کے ہاتھوں ارتقا پذیر ہے اور نت نئے سائنسی اور سماجی چیلنجز کو اپنے بیانیے میں سمو رہا ہے۔ انگریزی ادب میں اس کی یہ بھرپور اور متحرک روایت عالمی ادب کے لیے ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

موضوعات اور سائنسی گہرائی کی بنیاد پر سائنس فکشن کو بنیادی طور پر دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: ہارڈ سائنس فکشن (Hard Science Fiction) اور سافٹ سائنس فکشن (Soft Science Fiction)۔ ہارڈ سائنس فکشن کا تعلق براہِ راست طبعی علوم مثلاً فزکس، کیمسٹری، فلکیات اور انجینئرنگ سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے فکشن میں سائنسی درستی اور تکنیکی تفصیلات پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد ایسی کہانیاں تخلیق کرنا ہوتا ہے جو موجودہ یا مستقبل کے ممکنہ سائنسی اصولوں سے انحراف نہ کریں۔ اس میں پیش کی جانے والی ٹیکنالوجی اور واقعات قابلِ فہم اور منطقی ہوتے ہیں۔ ہارڈ سائنس فکشن کے مصنفین اکثر خود سائنسی پس منظر رکھتے ہیں اور ان کی تحریریں قاری کو نہ صرف ایک کہانی سناتی ہیں بلکہ اسے سائنسی تصورات کو سمجھنے کی دعوت بھی دیتی ہیں۔

اس کے برعکس، سافٹ سائنس فکشن کی بنیاد سماجی علوم مثلاً نفسیات، سماجیات، سیاسیات اور علمِ بشریات (Anthropology) پر ہوتی ہے۔ اس میں تکنیکی تفصیلات کے بجائے اس بات پر توجہ دی جاتی ہے کہ سائنسی ترقی یا کسی خیالی تبدیلی کے انسانی معاشرے، فرد کے کردار اور تہذیبی اقدار پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ یہ صنف کرداروں کی داخلی کیفیات، سماجی ڈھانچے میں تبدیلی اور اخلاقی مخمصوں کو اپنا موضوع بناتی ہے:

> "یہ سماجی سائنس فکشن عموماً ایک ایسی دنیا کا منظر پیش کرتا ہے جو تصوراتی اور تخیلاتی ہے ایک مختلف سماجی نظام یا ایک مثالی زندگی کا نمونہ وغیرہ۔"(5)

یہ دونوں اقسام سائنس فکشن کے وسیع کینوس کے دو سرے ہیں، جن کے درمیان لاتعداد موضوعات اور اسالیب موجود ہیں جو اس صنف کو عالمی ادب میں ایک منفرد اور فکر انگیز مقام عطا کرتے ہیں۔

اردو ادب میں سائنس فکشن کی روایت، مغرب کی طرح کسی ایک واضح نقطۂ آغاز سے شروع نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ابتدائی نقوش کلاسیکی داستانوی ادب کے وسیع کینوس پر بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ جدید سائنسی شعور کی بیداری سے قبل، جب محیر العقول واقعات کی توجیہہ کے لیے مافوق الفطرت عناصر اور جادوئی تصورات کا سہارا لیا جاتا تھا، تب بھی انسانی تخیل ایسی اختراعات کو جنم دے رہا تھا جنہیں آج سائنسی منطق کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں، اردو سائنس فکشن کا ارتقائی سفر داستانوں کے "پروٹو سائنس فکشن" (Proto-Science Fiction) سے ہوتا ہوا بیسویں صدی کی باقاعدہ سائنسی تحریروں تک پہنچتا ہے۔

اردو میں سائنس فکشن کی جڑوں کا سراغ لگانے کے لیے جب ہم داستانوی ادب کی طرف رجوع کرتے ہیں تو محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کی شہرہ آفاق تصنیف "طلسم ہوش ربا" ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ اپنی ہیئت میں یہ ایک خالص داستان ہے، لیکن اس میں موجود بعض عناصر اپنے اندر ایسی سائنسی اور تکنیکی گہرائی رکھتے ہیں کہ محققین اسے اردو کے اولین سائنس فکشن کا پیش خیمہ قرار دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

خورشید اقبال اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اردو کی سائنس فکشن کی جڑیں گزشتہ صدی میں پیوست ہیں۔ آج سے تقریباً ایک صدی قبل اردو کے دو مصنفین محمد حسین شاہ اور احمد حسین قمر نے سات جلدوں پر محیط "طلسم ہوش ربا" کے عنوان سے ایک طویل داستان لکھی جو دراصل عربی داستان "داستان امیر حمزہ" کی بنیاد پر لکھی گئی تھی۔ اس داستان میں سائنس فکشن کے کئی عناصر پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے اسے اردو کا پہلا Proto Science Fiction کہا جاتا ہے۔"(6)

"طلسم ہوش ربا" کو پروٹو سائنس فکشن کا درجہ دلانے میں اس کے لازوال کردار عمرو عیار اور اس سے منسوب اشیاء کا کردار مرکزی ہے۔ عمرو عیار کا کردار کسی جادوگر کا نہیں، بلکہ ایک ایسے ذہین شخص کا ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مافوق الفطرت نظر آنے والے آلات استعمال کرتا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں اس کی "زنبیل" ہے، ایک ایسا تھیلا جس میں کائنات کی ہر شے سما سکتی ہے اور ضرورت پڑنے پر نکالی جا سکتی ہے۔ جدید سائنسی اصطلاح میں اسے ایک "چہار جہتی" (Four-Dimensional) فضا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جہاں اشیاء کے حجم اور وزن کے قوانین بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح، عمرو عیار کی وہ چادر جو اسے غیر مرئی (Invisible) بنا دیتی ہے، ایچ۔ جی۔ ویلز کے مشہور زمانہ ناول "The Invisible Man" کے بنیادی تصور کی بازگشت محسوس ہوتی ہے۔ ان عناصر کی موجودگی اس داستان کو محض جادوئی قصے کی حدود سے نکال کر سائنسی قیاس آرائی کے دائرے میں داخل کر دیتی ہے۔

تاہم، اردو میں سائنس فکشن کا باقاعدہ اور شعوری آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہوتا ہے، جب ادب پر سائنسی نظریات کے اثرات مرتب ہونے لگے۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا اور اہم نام منشی ندیم صہبائی فیروز پوری کا ہے، جنہوں نے 1930ء کی دہائی میں اپنا جاسوسی ناول "نقلی رئیس" تحریر کیا۔ یہ ناول اس لیے ایک تاریخی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں پہلی بار کسی مافوق الفطرت عنصر کے بجائے ایک خالص سائنسی، اگرچہ اس وقت کے لحاظ سے انتہائی خیالی، تصور کو کہانی کی بنیاد بنایا گیا۔ ناول کا مرکزی خیال دو عورتوں کے دماغ کی تبدیلی (Brain Transplant) پر مبنی ہے۔ ایک سرجن آپریشن کے ذریعے ایک صحت مند عورت کا دماغ ایک ذہنی مریضہ کے جسم میں اور ذہنی مریضہ کا دماغ صحت مند عورت کے جسم میں منتقل کر دیتا ہے۔ بقول خورشید اقبال:

> "اس ناول میں ایک سرجن دو عورتوں کے دماغ ایک دوسرے سے تبدیل کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک عورت پاگل تھی اور دوسری صحتمند۔ آپریشن کے بعد پاگل عورت، صحیح الدماغ ہو جاتی ہے جب کہ دوسری عورت پاگل ہو جاتی ہے۔"(7)

اس ناول کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ یہ ایک ایسے دور میں لکھا گیا جب انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا تصور بھی ایک خواب تھا، چہ جائیکہ دماغ جیسے پیچیدہ عضو کی منتقلی کا سوچا جائے۔ منشی ندیم صہبائی نے ایک ایسا سائنسی مفروضہ پیش کیا جو اپنے وقت سے بہت آگے تھا اور یہی عمل سائنس فکشن کی روح ہے۔ "نقلی رئیس" نے داستانوی تخیل اور سائنسی قیاس کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی اور اردو ادب کو ایک ایسی نئی سمت عطا کی جس پر چل کر مستقبل کے سائنس فکشن نگاروں نے اپنی تخلیقی عمارتیں تعمیر کیں۔ یوں "طلسم ہوش ربا" کے نیم سائنسی تصورات سے شروع ہونے والا سفر منشی ندیم صہبائی کے ہاں ایک واضح اور شعوری سائنسی فکشن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اردو ادب میں جب سائنس فکشن کی روایت اپنے ابتدائی مراحل میں تھی، تب اس صنف کو مقبولِ عام بنانے اور قارئین کے وسیع حلقے تک پہنچانے کا سہرا بلاشبہ ابنِ صفی کے سر ہے۔ ابنِ صفی نے براہِ راست سائنس فکشن کو اپنا میدان نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے اپنی بے پناہ تخلیقی ذہانت سے کام لیتے ہوئے اسے اپنے دور کی مقبول ترین صنف، یعنی جاسوسی ادب، کے وسیع کینوس میں انتہائی مہارت سے سمو دیا۔ انہوں نے ایک ایسی نئی راہ نکالی جہاں جرم و سزا کی روایتی کشمکش کے پسِ منظر میں مستقبل کی ٹیکنالوجی، محیر العقول ایجادات اور سائنسی نظریات ایک لازمی جزو کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ان کا یہ اسلوب محض قصے میں سنسنی پیدا کرنے کا ذریعہ نہ تھا، بلکہ یہ قارئین کی ذہنی تربیت اور انہیں آنے والے دور کے سائنسی عجائبات سے روشناس کرانے کی ایک شعوری کوشش تھی۔

ابنِ صفی کی تحریروں نے اردو ادب میں ایک نئی ذیلی صنف کو جنم دیا جسے جدید اصطلاح میں "سپائی-فائی" (Spy-fi) کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ جاسوسی اور سائنس فکشن کا ایک ایسا امتزاج ہے جس میں کردار تو سراغ رساں ہوتے ہیں لیکن ان کا سامنا اکثر ایسے مجرموں یا تنظیموں سے ہوتا ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مستقبل کی ٹیکنالوجی اور سائنسی برتری کا استعمال کرتے ہیں۔ ابنِ صفی کے ناول خالص سائنس فکشن نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان میں جاسوسی اور سائنس فکشن کو اس طرح باہم پیوست کیا جاتا تھا کہ قاری کے لیے دونوں میں تفریق کرنا مشکل ہو جاتا:

> "ابن صفی کے ناول Pure سائنس فکشن نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں جاسوسی پلاٹ کے ساتھ سائنس فکشن کو اس طرح بُن دیا جاتا تھا کہ پڑھنے والا سوچتا رہ جاتا تھا کہ انہیں جاسوسی ناول کہے یا سائنس فکشن۔ دراصل یہ 'جاسوسی سائنس فکشن' تھے جنہیں آج کے زمانے کی اصطلاح میں ہم Spy-Fi کہہ سکتے ہیں۔ دراصل اردو میں 'جاسوسی سائنس فکشن' کی بنیاد ابن صفی نے ہی رکھی۔"(8)

ابنِ صفی کی یہ خدمات محض چند ناولوں تک محدود نہیں، بلکہ ان کے تقریباً 245 ناولوں میں سے 70 کے قریب ایسے ہیں جن میں سائنس فکشن کے عناصر نمایاں ہیں۔ ان کا یہ سفر 1953ء میں شائع ہونے والے ناول "موت کی آندھی" سے شروع ہوتا ہے، جس میں ایک ایسے "فولادی انسان" یعنی روبوٹ کا تصور پیش کیا گیا جو انسانی بو پا کر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہ اس دور میں ایک بالکل نیا اور چونکا دینے والا خیال تھا، جب روبوٹکس کا علم ابھی ابتدائی مراحل میں تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے ناول "طوفان کا اغوا" میں "فولادی" کے نام سے ایک مکمل روبوٹ کردار متعارف کرایا۔ ان کی دور اندیشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ناولوں میں ایسے تصورات پیش کیے جو دہائیوں بعد حقیقت کا روپ دھار گئے، مثلاً بغیر ڈرائیور کے چلنے والی کار، لیزر شعاعیں، خفیہ کوڈز (Cryptography) اور ہولوگرام (Hologram) ایسی ٹیکنالوجی، جس کا ذکر وہ "چاندنی کا دھواں" میں کرتے ہیں۔ بقول محمد فیصل:

> "اس ناول میں ایک ایسی سائنسی مشین دکھائی گئی ہے جو آج کے Hologram سے ملتی جلتی ہے کہ انسان کی شبیہ بالکل اصل حالت میں کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے۔ پورا ناول بہت سی دل چسپیوں اور حیرتوں کا مجموعہ ہے۔"(9)

ابنِ صفی کی تخلیقی کائنات کا سب سے اہم سائنسی پہلو ان کی بدنام زمانہ تنظیم "زیرو لینڈ" ہے۔ زیرو لینڈ ایک ایسی خفیہ اور سائنسی طور پر انتہائی ترقی یافتہ تنظیم ہے جو دنیا بھر سے سائنسدانوں کو اغوا کر کے ان سے نت نئی ایجادات کرواتی ہے اور عالمی سطح پر اپنے مذموم مقاصد کو عملی جامہ پہناتی ہے۔ "زمین کے بادل" اور "پیاسا سمندر" ایسے ناولوں میں زیرو لینڈ کو اڑن طشتریوں ("نے گراز")، جدید ترین آبدوزوں، اور ایسے جاسوس

پرندوں کا مالک دکھایا گیا ہے جن کی آنکھوں میں کیمرے نصب ہیں۔ زیرو لینڈ کی سربراہ، تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا، اپنے جدید ترین گیجٹس اور چنگاریاں اگلنے والی پستول (لیزر گن) کے ساتھ اس تنظیم کی تکنیکی برتری کی علامت ہے۔ زیرو لینڈ کا تصور ابنِ صفی کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم تھا جہاں وہ سائنسی تخیل کی بلند ترین پرواز کر سکتے تھے اور اپنے قارئین کو خلائی جنگوں (Space Warfare) اور ففتھ جنریشن وار فیئر ایسے جدید نظریات سے متعارف کروا سکتے تھے۔

ان کی خدمات کا دائرہ محض تکنیکی ایجادات تک محدود نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں بائیولوجیکل اور نفسیاتی سائنس کے موضوعات کو بھی بڑی گہرائی سے برتا۔ "سینکڑوں ہم شکل" میں کلوننگ، "دیو پیکر درندہ" میں ذہنوں کی تبدیلی (دماغ کی پیوند کاری)، "خطرناک لاشیں" میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور "جنگل کی آگ" میں انسانی اجسام سے دیو قامت درندے تیار کرنے ایسے تصورات پیش کر کے انہوں نے سائنس کے اخلاقی اور فلسفیانہ پہلوؤں پر بھی سوالات اٹھائے۔ ابنِ صفی نے جاسوسی ادب کے ہر دلعزیز پیرائے میں سائنسی تخیل کو سمو کر نہ صرف اپنی تحریروں کو انفرادیت بخشی بلکہ اردو کے لاکھوں قارئین کے ذہنوں میں سائنسی شعور اور مستقبل کے امکانات کے وہ چراغ روشن کیے جن کی روشنی آج بھی اردو ادب میں ان کے منفرد مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔

ابنِ صفی نے جس طرح جاسوسی ادب کے وسیع میدان میں سائنس فکشن کے بیج بوئے، اس سے اردو ادب میں ایک نئی فصل کی امید پیدا ہوئی۔ اگرچہ ابنِ صفی کا کام بنیادی طور پر "سپائی-فائی" کے زمرے میں آتا ہے، لیکن ان کے بعد آنے والے کچھ ادیبوں نے سائنس فکشن کو ایک خود مختار صنف کے طور پر برتنے کی شعوری کوششیں کیں اور اس روایت کو مزید مستحکم کیا۔ ان معماروں میں سرِ فہرست نام اظہار اثر کا ہے، جنہوں نے نہ صرف مقدار میں بلکہ معیار میں بھی اردو سائنس فکشن کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ کرشن چندر اور اشفاق احمد جیسے اردو ادب کے قد آور ناموں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کر کے اس کی ادبی وقعت کو تسلیم کرایا۔

اظہار اثر کو بلاشبہ اردو کا پہلا ایسا ناول نگار کہا جا سکتا ہے جنہوں نے تواتر کے ساتھ خالص سائنس فکشن کو اپنا موضوع بنایا۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار ناول تحریر کیے، جن میں سے ایک قابلِ ذکر تعداد، جو بعض حوالوں کے مطابق سو کے قریب ہے، سائنس فکشن پر مبنی ہے۔ ان کا پہلا سائنس فکشن ناول "آدھی زندگی" 1955ء میں منظرِ عام پر آیا، جس میں انہوں نے ایک ایسے مشینی انسان کا تصور پیش کیا جسے آج کی اصطلاح میں "اینڈرائڈ" (Android) یا "ہیومنائڈ روبوٹ" (Humanoid Robot) کہا جاتا ہے۔ بقول خورشید اقبال:

> "ان کا پہلا سائنس فکشن ناول "آدھی زندگی" 1955ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں ایسے ذی عقل مشینی انسانوں کا ذکر ہے جنہیں ہم آج کی اصطلاح میں Android یا Humanoid روبوٹ کہیں گے (جو آج حقیقت بن چکے ہیں)۔"[10]

اظہار اثر کی تحریروں کا دائرہ کار انتہائی وسیع تھا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں خلائی سفر ("شعلوں کے انسان")، سپر کمپیوٹر ("بیس سال بعد")، مشینوں کی انسانوں کے خلاف بغاوت ("مشینوں کی بغاوت") اور ایٹمی تابکاری کے انسانی ذہن پر اثرات ("زیرو زیرو زیرو") جیسے متنوع موضوعات کو کامیابی سے برتا۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ پیچیدہ سائنسی تصورات کو انتہائی سہل اور عام فہم زبان میں بیان کرنے کا ہنر جانتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے ناول عوام میں بے حد مقبول ہوئے اور اردو میں سائنس فکشن کے قارئین کا ایک نیا حلقہ پیدا ہوا۔

اسی دور میں اردو فکشن کے ایک اور عظیم نام کرشن چندر نے بھی سائنس فکشن میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اگرچہ یہ ان کا بنیادی میدان نہیں تھا، لیکن انہوں نے ایک انگریزی ناول سے متاثر ہو کر "مشینوں کا شہر" کے نام سے ایک ناول تحریر کیا، جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ سائنس فکشن کا موضوع صفِ اول کے ادیبوں کی توجہ حاصل کر رہا تھا۔ ان کی یہ کاوش اس صنف کو ادبی سنجیدگی عطا کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔

اس روایت کے ایک اور اہم ستون پاکستان کے مایہ ناز ادیب اشفاق احمد ہیں۔ اشفاق احمد، جو اپنے گہرے سماجی اور نفسیاتی افسانوں کے لیے مشہور ہیں، نے سائنس فکشن کو بھی اپنی تخلیقی جولاں گاہ بنایا۔ ان کے سائنسی افسانوں کا مجموعہ "طلسم ہوش افزا" کے عنوان سے شائع ہوا، جو اس صنف میں ان کی گہری دلچسپی کا ثبوت ہے۔ اس مجموعے میں شامل کہانیاں، جیسے "قصاص"، "آخری حملہ" اور "کہکشاں ٹیکسی اسٹینڈ"، سائنسی نظریات کو انسانی نفسیات اور اخلاقیات کے ساتھ ملا کر ایک منفرد اسلوب پیش کرتی ہیں:

> "پاکستان کے سب سے بڑے شہری اعزاز ستارہ پاکستان سے نوازے جانے والے، شہرہ آفاق افسانہ 'گڈریا' کے مصنف، اشفاق احمد نے سائنسی افسانے بھی لکھے۔ ان کے Pure سائنسی افسانوں کا مجموعہ 'طلسم ہوش افزا' کے نام سے شائع ہوا۔"(11)

اشفاق احمد کا کام اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے سائنس فکشن کو محض تکنیکی عجائبات کے بیان تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے انسانی وجود، تقدیر اور اخلاقی فیصلوں جیسے گہرے سوالات سے جوڑ دیا۔ ان کے بعد مظہر کلیم نے ابنِ صفی کے تخلیق کردہ کرداروں کو لے کر جاسوسی اور سائنس فکشن کے امتزاج کو آگے بڑھایا اور بچوں کے لیے "چلوسک ملوسک" سیریز کے ذریعے سائنس فینٹسی کی دنیا بھی متعارف کرائی۔ اسی طرح اشتیاق احمد نے بچوں کے جاسوسی ادب میں "مشینی مخلوق" اور "انسانی دھواں" ایسے ناولوں کے ذریعے سائنسی عناصر کو شامل کیا۔ ان تمام مصنفین کی مشترکہ کاوشوں نے اردو میں سائنس فکشن کی اس روایت کو پروان چڑھایا جو اظہار اثر کے قلم سے شروع ہوئی اور اشفاق احمد جیسے دانشور ادیب کے ہاتھوں ادبی وقار کی بلندیوں تک پہنچی۔

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں جہاں عالمی سطح پر سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انقلاب برپا کیا، وہیں اردو ادب میں سائنس فکشن کی روایت ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس معاصر منظرنامے میں سب سے نمایاں اور امید افزا رجحان ادبِ اطفال کے میدان میں نظر آتا ہے، جہاں تسنیم جعفری ایسی مصنفین نے نئی نسل کے ذہنوں میں سائنسی شعور اور تخیل کی آبیاری کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، بڑوں کے ادب میں بھی چند نئے مصنفین نے کلوننگ اور بائیو ٹیکنالوجی جیسے جدید موضوعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنا کر اس صنف کے مستقبل کے لیے نئے امکانات روشن کیے ہیں۔

تسنیم جعفری کا نام معاصر اردو سائنس فکشن، بالخصوص بچوں کے ادب، میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کا گہرا ادراک کیا کہ آج کا بچہ، جو ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے دور میں پروان چڑھ رہا ہے، جنوں اور پریوں کی روایتی کہانیوں سے زیادہ ٹھوس اور منطقی دلائل پر مبنی بیانیے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فرسودہ موضوعات سے ہٹ کر سائنسی تصورات کو اپنی کہانیوں اور ناولوں کی بنیاد بنایا۔ ان کی تحریریں محض سائنسی معلومات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ان میں تخیل اور سائنسی حقائق کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے جو نوجوان قارئین کو کائنات کے اسرار اور سائنسی ایجادات کی دنیا میں لے جاتا ہے۔

ڈاکٹر ارشد اویسی ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تسنیم جعفری صاحبہ نے بچوں کے ادب کو روایتی موضوعات بھوت پریت اور جنوں پریوں سے نجات دلا کر سائنسی موضوعات کی راہ دکھائی ہے۔ دور حاضر میں سائنسی میدان میں ترقی کی ضرورت جتنی وطن عزیز کو ہے اتنی ہی شاید کسی دوسرے ملک کو ہو۔"(12)

تسنیم جعفری کی کہانیوں کا مجموعہ "مریخ سے ایک پیغام" اور ناول جیسے "پوزی اور الیکٹرا" اور "روبوٹ بوبی" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ وہ نہ صرف بچوں کو خلائی سفر، مصنوعی ذہانت اور ماحولیاتی تبدیلیوں جیسے موضوعات سے روشناس کراتی ہیں، بلکہ سائنس کے غلط استعمال سے ہونے والی تباہ کاریوں، مثلاً ایٹم بم کے مضر اثرات، سے بھی آگاہ کرتی ہیں۔ ان کا کام محض تفریح فراہم نہیں کرتا، بلکہ یہ نئی نسل میں ایک سائنسی رویہ (Scientific Attitude) پیدا کرنے کی ایک شعوری اور منظم کوشش ہے، جو ملک و قوم کی مستقبل کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

بچوں کے ادب کے علاوہ، بڑوں کے لیے لکھے جانے والے معاصر سائنس فکشن میں بھی نئے رجحانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں لکھنے والوں کی تعداد اب بھی کم ہے، لیکن جو چند نام سامنے آئے ہیں، انہوں نے جدید ترین سائنسی موضوعات کو اردو فکشن کا حصہ بنایا ہے۔ اس کی ایک اہم مثال پروفیسر طفیل ڈھانہ کا ناول "کلون" (2003ء) ہے۔ یہ ناول کلوننگ کے پیچیدہ اور متنازعہ موضوع پر ایک اچھوتی اور خالص سائنسی تحریر ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اردو مصنفین اب عالمی سائنسی مباحث سے ہم آہنگ ہو رہے ہیں۔ اسی طرح پرویز بلگرامی کا ناول "دوسرا جنم" (2007ء) بھی جدید سائنسی تصورات سے مدد لیتا ہے۔

ان انفرادی کاوشوں کے علاوہ، محمد عادل منہاج جیسے مصنفین نے "وقت کا مسافر" جیسے ناولوں کے ذریعے ٹائم ٹریول کے کلاسیکی موضوع کو نوجوان قارئین کے لیے پیش کیا، جبکہ ارشد نیاز اور جاوید نہال ہشمی ایسے افسانہ نگار نینو ٹیکنالوجی اور برین امیجنگ جیسے جدید ترین تصورات کو اپنے افسانوں میں جگہ دے رہے ہیں۔ یہ تمام رجحانات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اردو سائنس فکشن کا معاصر منظرنامہ اگرچہ وسیع نہیں، لیکن متنوع اور امید افزا ہے۔ تسنیم جعفری کی بچوں کے لیے کی گئی گراں قدر خدمات اور دیگر مصنفین کے جدید موضوعات پر کیے گئے تجربات اردو سائنس فکشن کی روایت کو اکیسویں صدی کے چیلنجز اور امکانات سے ہمکنار کر رہے ہیں۔

عالمی ادب کے وسیع منظرنامے پر جہاں سائنس فکشن نے ایک توانا اور مقبول صنف کے طور پر اپنی جگہ بنائی ہے، وہیں اردو ادب کا دامن اس حوالے سے تہی نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر متعدد ناقدین اور محققین نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اردو میں سائنس فکشن کی یہ کمیابی کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے پس پشت گہرے تاریخی، تہذیبی، تعلیمی اور ادبی عوامل کارفرما ہیں جنہوں نے مل کر ایک ایسی فضا قائم کی جس میں سائنسی تخیل پر مبنی ادب پنپ نہ سکا۔ ان اسباب میں سب سے بنیادی اور کلیدی عنصر معاشرے میں عمومی سائنسی مزاج (Scientific Temperament) کا فقدان ہے۔

تاریخی طور پر، سولہویں صدی عیسوی کے بعد مسلم دنیا میں سائنسی علوم کا زوال شروع ہوا، جس نے برصغیر کے مسلمانوں اور بالخصوص اردو بولنے والے طبقے کو بھی متاثر کیا۔ علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی جگہ ایک ایسا جمود طاری ہوا جس نے تنقیدی اور تجربی فکر کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ سائنسی فکر سے دوری محض علمی اداروں تک محدود نہ رہی، بلکہ اس نے عوام کے اجتماعی شعور اور ادیبوں کے تخلیقی رجحانات پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ سائنس فکشن کی تخلیق کے لیے جس سائنسی بصیرت اور مستقبل بین نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس فضا میں پیدا ہی نہ ہو سکی۔

جم واکر (Jim Walker) اپنے مقالے میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> "دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اردو کے مصنفین اور قارئین کو سائنس فکشن میں دلچسپی کیوں نہیں ہے۔ اس کے پیچھے کئی ثقافتی اور مذہبی وجوہات ہو سکتی ہیں۔۔۔۔ دوسرے یہاں سائنس میں بھی لوگوں کی دلچسپی بے حد کم ہے۔ پاکستان کے اسکولوں میں سائنس کی تعلیم اتنی جلد شروع نہیں کی جاتی جیسا مغرب میں ہوتا ہے۔"(13)

اس عمومی سائنسی بے حسی کے ساتھ ساتھ، اردو ادب کی داخلی ترجیحات نے بھی سائنس فکشن کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اردو ادب کی سب سے مقبول اور غالب صنف ہمیشہ سے شاعری، بالخصوص غزل رہی ہے۔ غزل کا مزاج داخلی، عشقیہ اور مابعد الطبیعیاتی رہا ہے، جس نے قارئین اور تخلیق کاروں دونوں کے ذہنوں پر گہری چھاپ چھوڑی۔ نثر میں بھی جب افسانے اور ناول کو فروغ ملا تو اس کا بنیادی سروکار سماجی حقیقت نگاری، تاریخی شعور، نفسیاتی تحلیل اور رومانوی موضوعات سے رہا۔ اس ادبی فضا میں سائنس فکشن کو ایک اجنبی اور غیر ادبی صنف سمجھا گیا، جو ادب عالیہ کے معیار پر پورا نہیں اترتی۔ حسن عابدی اور جمیل الدین عالی ایسے دانشوروں کے بیانات اسی ادبی رویے کی عکاسی کرتے ہیں:

> "حسن عابدی کراچی سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ Dawn کے 28 جولائی 2004ء کے شمارے میں اپنے مضمون 'Science fiction: a new genre for Urdu readers' میں لکھتے ہیں: 'سائنس فکشن اردو میں بہت کمیاب ہے'۔ اسی مضمون میں مشہور شاعر، نقاد اور صحافی جمیل الدین عالی کا قول بھی درج ہے: 'سائنس فکشن اردو والوں کے لئے بالکل نئی چیز ہے۔'"(14)

مزید برآں، سائنس فکشن کی تخلیق خود تخلیق کار سے بھی غیر معمولی تقاضے کرتی ہے۔ ایک عام ادیب کے لیے تخلیقی صلاحیت اور زبان پر دسترس کافی ہو سکتی ہے، لیکن ایک سائنس فکشن نگار کے لیے ان کے ساتھ ساتھ سائنسی علم، منطقی استدلال اور مستقبل کا تصور کرنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ یہ ایک مشکل امر ہے، خاص طور پر ایک ایسے معاشرے میں جہاں سائنس اور ادب کو دو الگ الگ اور غیر متعلق شعبے سمجھا جاتا ہو۔ اس کے نتیجے میں، اردو کے بیشتر ادیبوں نے ان موضوعات کی طرف توجہ ہی نہیں دی جن کے لیے اضافی سائنسی مطالعے کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اردو لغات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو "فرہنگِ آصفیہ" ایسی مستند لغت میں لفظ "سائنس" تک موجود نہیں، جو اس گہری خلیج کی نشاندہی کرتا ہے جو اردو ادبی روایت اور سائنسی فکر کے درمیان حائل رہی ہے۔ نتیجتاً، مصنفین اور قارئین دونوں کی عدم دلچسپی، تعلیمی نظام میں سائنسی فکر کی کمی اور ادبی ترجیحات کے غالب رجحان نے مل کر اردو ادب میں سائنس فکشن کو ایک مزاحیہ پر موجود صنف بنائے رکھا۔

اردو ادب میں سائنس فکشن کی کمیابی کے اسباب صرف تاریخی اور سماجی عوامل تک محدود نہیں، بلکہ اس کے پسِ پردہ معاصر ادبی تنقید کا وہ مخصوص رویہ بھی کارفرما ہے جو تخلیقی عمل کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اسے محدود اور فارمولا زدہ بنانے کا باعث بن رہا ہے۔ یہ ایک انوکھا اور داخلی چیلنج ہے جس کا سامنا آج کے فکشن نگاروں، بالخصوص سائنس فکشن ایسے غیر روایتی میدان میں طبع آزمائی کرنے والوں، کو ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اردو تنقید کا ایک غالب حصہ تخلیق کو اس کی اپنی داخلی منطق اور فنی ساخت کی بنیاد پر پرکھنے کے بجائے، مغربی تنقیدی دبستانوں اور پہلے سے طے شدہ اصطلاحی سانچوں میں فٹ کر کے دیکھنے پر اصرار کرتا ہے۔

معاصر اردو ناقدین نے مغربی ادبی نظریات مثلاً مابعد جدیدیت، تانیثیت، دلت فکر، اور میٹا فکشن وغیرہ کو اردو ادب پر منطبق کرنے کی جو روش اپنائی ہے، اس نے غیر محسوس طور پر تخلیق کاروں پر ایک فکری دباؤ ڈالا ہے۔ اس عمل سے ایک ایسی فضا پیدا ہوئی ہے جہاں فکشن نگار موضوع، کردار، پلاٹ اور اسلوب کی فنی ضرورتوں پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ اس کی تخلیق ناقدین کے وضع کردہ کسی خاص "زمرے" یا "اصطلاح" کے تحت آجائے۔ ڈاکٹر ابو بکر عباد اس مسئلے کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "معاصر اردو فکشن نگاروں کا ایک بڑا مسئلہ ہمارے ناقدوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ انھوں نے جذبات و احساسات، فکر و خیالات... کے خالص فکشنل بیانیے کو تنقیدی دبستانوں، مغربی اصطلاحوں، خود ساختہ زمروں اور مخصوص مطالعے کے دائروں میں رکھ کر دیکھنے کی کوششیں کیں۔۔۔ پھر ان کی قدری درجہ بندی اور زمریاتی شناخت کا تعین کچھ اس طنطنے اور تیور سے کیا کہ ہمارے فکشن نگار۔۔۔ نقادوں کے بتائے ہوئے اصطلاحی سانچوں میں کہانیاں ڈھالنے اور ان کے وضع کردہ تنقیدی علاقوں کی نشاندہی پر ناول کی تعمیر و تشکیل کو ضروری سمجھنے لگے۔"(15)

اس تنقیدی رویے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ تخلیقی عمل کی آزادی اور انفرادیت متاثر ہوئی۔ سائنس فکشن جیسی صنف، جو اپنے مزاج میں نت نئے تجربات، غیر معمولی تخیل اور روایتی بیانیے سے انحراف کا تقاضا کرتی ہے، اس فارمولا سازی کے ماحول میں پنپ نہیں سکتی۔ جب تخلیق کار کا ہدف ایک "مابعد جدید ناول" یا "تانیثی افسانہ" لکھنا بن جائے، تو وہ سائنسی قیاس آرائی اور مستقبل کے تصورات جیسے ان دیکھے راستوں پر قدم رکھنے سے ہچکچاتا ہے، کیونکہ ان کے لیے تنقیدی لغت میں کوئی تیار شدہ خانہ موجود نہیں ہوتا۔

یہاں المیہ یہ ہے کہ تنقید کا کام ادب کی تشریح و توضیح اور اس کے لیے نئے راستے تلاش کرنا ہے، نہ کہ اس کے لیے پہلے سے راستے متعین کرنا۔ فکشن نگار ایک خالق کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنی کائنات خود تخلیق کرتا ہے، جبکہ ناقد ایک سیاح کی طرح اس نئی دنیا کو دریافت اور اس کی نقشہ کشی کرتا ہے۔ لیکن معاصر اردو تنقید میں یہ کردار الٹا ہوا محسوس ہوتا ہے، جہاں ناقد پہلے سے نقشہ فراہم کر کے تخلیق کار کو اس پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔ بقول ابو بکر عباد:

> "عرض یہ کرنا ہے کہ فکشن نگار مخلوق نہیں دراصل خالق ہے، اور فکشن اس کی کائنات۔ ناقد کی حیثیت تو محض کولمبس اور ابن بطوطہ کی ہوتی ہے۔"(16)

اس صورتحال نے معاصر فکشن نگاروں، خصوصاً جو سائنس فکشن کی طرف مائل ہیں، کو ایک عجیب مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ ایک طرف تو ان پر یہ دباؤ ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر لکھیں جو "ادبی" سمجھے جاتے ہیں، اور دوسری طرف انہیں یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ اگر انہوں نے کوئی نیا تجربہ کیا تو شاید اسے تنقیدی پذیرائی حاصل نہ ہو سکے گی۔ یہ چیلنج سائنس فکشن کے لیے اس لیے بھی زیادہ شدید ہے کیونکہ یہ صنف اپنی فطرت میں ہی بین العلومی (interdisciplinary) ہے اور اسے کسی ایک تنقیدی نظریے کے تنگ دائرے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجتاً، یہ تنقیدی فارمولا سازی اور زمرہ بندی کی روش، جو بظاہر ادب کی درجہ بندی کے لیے کی جاتی ہے، درحقیقت سائنس فکشن جیسی اختراعی اور تجرباتی اصناف کے ارتقاء میں ایک غیر مرئی رکاوٹ بن کر کھڑی ہے۔

اکیسویں صدی نے انسانی تہذیب کو علم و ٹیکنالوجی کے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے جہاں ایک طرف تو سائنس کی کرشمہ سازیاں عروج پر ہیں اور دوسری طرف سیاست کے پیچیدہ کھیل انسانی اقدار اور سماجی تانوں بانوں کو شکست وریخت سے دوچار کر رہے ہیں۔ یہ عہد، جو اپنی نوعیت میں ماضی کے تمام ادوار سے یکسر مختلف ہے، اردو فکشن نگار، بالخصوص سائنس فکشن کے تخلیق کار، کے لیے نئے موضوعات اور امکانات کے وسیع آفاق پیش کرتا ہے۔ آج کا ادیب اگر چاہے تو روایتی موضوعات مثلاً غربت، محبت اور سماجی ناانصافی کی تکرار سے آگے بڑھ کر ان جدید سائنسی اور سیاسی حقیقتوں کو اپنے فکشن کا موضوع بنا سکتا ہے جو براہِ راست آج کے انسان کی زندگی، آزادی اور مستقبل پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

عصر حاضر کی سب سے بڑی حقیقت ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کا انسانی زندگی میں بڑھتا ہوا عمل دخل ہے۔ ڈاکٹر ابو بکر عباد اس صورتحال کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ سائنس اور سیاست اب محض فلاح کے منصوبے تیار کرنے کے بجائے عالمی انتشار اور خوف و دہشت کے وسیلے بن رہے ہیں۔ ڈیجیٹل آلات اور نگرانی کے جدید نظام، جیسے پیگاسس اسپائی ویئر (Pegasus Spyware)، نے فرد کی نجی زندگی کے تصور کو ہی ختم کر دیا ہے:

> "پیگاسس (Pagasus spyware) کی ایجاد و انکشاف کے بعد صرف یہی نہیں کہ آپ کی حد درجہ محفوظ تنہائی بھی اب نہ تو محفوظ رہی، نہ تنہائی رہی بلکہ سیکڑوں میل دور بیٹھا کوئی ان دیکھا، ان جانا شخص آپ کے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو سوتے جاگتے، کہیں آتے جاتے، لوگوں سے ملتے اور باتیں کرتا ہوا دیکھ اور سن سکتا ہے۔"(17)

یہ صورتحال اردو سائنس فکشن کے لیے ایک زرخیز زمین فراہم کرتی ہے جہاں "سائبر پنک" (Cyberpunk) ایسی ذیلی صنف کے تحت کہانیاں لکھی جا سکتی ہیں۔ ان کہانیوں میں جدید ٹیکنالوجی کے پسِ منظر میں انحطاط پذیر انسانی زندگی، حکومتی اور کارپوریٹ اداروں کی جانب سے فرد کی نگرانی، ڈیٹا کی چوری اور ورچوئل رئیلٹی (Virtual Reality) کے انسان پر نفسیاتی اثرات جیسے موضوعات کو برتا جا سکتا ہے۔

سائنسی میدان میں بایو ٹیکنالوجی (Biotechnology) اور جینیٹک انجینئرنگ نے بھی نئے اخلاقی اور فلسفیانہ سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ کلوننگ، انسانی جین میں تبدیلی، اور بایونک اعضاء کی تخلیق جیسے موضوعات، جن کا تصور کبھی صرف مغربی سائنس فکشن میں ملتا تھا، اب اردو فکشن کے لیے بھی نئے امکانات کے دروازے کھول رہے ہیں۔ پروفیسر طفیل ڈھانہ کا ناول "کلون" اس سمت میں ایک اہم قدم ہے۔ یہ موضوعات نہ صرف سائنسی دلچسپی کا باعث ہیں بلکہ یہ "انسان" کی تعریف، شناخت اور تخلیق کے عمل پر بھی گہرے سوالات اٹھاتے ہیں، جو ادب کا بنیادی سروکار ہے۔ اسی طرح، ماحولیاتی تبدیلیاں، عالمی وباؤں کا پھیلاؤ، اور زمین کے وسائل کا خاتمہ جیسے "اپوکلپٹک" (Apocalyptic) موضوعات بھی آج کے ادیب کی توجہ کے طالب ہیں۔

سیاسی میدان میں بھی عالمی منظر نامہ ڈرامائی طور پر تبدیل ہوا ہے۔ عالمی سیاست میں کارپوریٹ اداروں کی بڑھتی ہوئی مداخلت، چھوٹے ممالک کی معیشت پر بالواسطہ قبضے کی کوششیں، اسلاموفوبیا کا فروغ، اور اقلیتوں کے اجتماعی خوف کی نفسیات ایسے موضوعات ہیں جن میں گہری ڈرامائی اور انسانی کہانیاں پوشیدہ ہیں۔ ڈاکٹر ابو بکر عباد ان موضوعات کی فہرست پیش کرتے ہوئے سوال اٹھاتے ہیں:

> "فی زمانہ بین الاقوامی انسانی تجارت، جسمانی اعضا کی سوداگری، چھوٹے ممالک پر بالواسطہ قبضے اور ان کی معاشیات ہتھیانے... اسلامک فوبیا ازم کے فروغ... عالمی سیاست میں کارپوریٹروں کی دخل اندازی، اور اقلیتوں کے اجتماعی خوف کی نفسیات جیسے موضوعات

ہمارے فکشن نگاروں کے سامنے ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے افسانہ نگار ابھی تک موپساں اور منٹو کے واقعات کے انوکھے پن... سے باہر نہیں نکل پائے ہیں۔"([18])

یہ تمام موضوعات اردو فکشن نگار کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ اپنے تخلیقی کینوس کو وسیع کرے اور اکیسویں صدی کی ان پیچیدہ حقیقتوں کا سامنا کرے جو آج کے انسان کا مقدر ہیں۔ ان نئے آفاق کو دریافت کرنے کے لیے نہ صرف نئے موضوعات کی ضرورت ہے بلکہ اظہار کے نئے اسالیب اور تکنیکوں کی بھی، تاکہ اردو فکشن معاصر عالمی ادب کے شانہ بشانہ کھڑا ہو سکے اور اپنے عہد کی سچی اور گہری تصویر پیش کر سکے۔

اکیسویں صدی کی تیز رفتار زندگی نے جہاں انسانی سماج کے دیگر شعبوں کو متاثر کیا ہے، وہیں ادب کے قارئین اور تخلیق کاروں کے مزاج اور ترجیحات پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ آج کے عہد کا قاری، جو معلومات کی بہتات اور وقت کی کمی کا شکار ہے، طویل بیانیوں کے بجائے ایسے مختصر اور جامع فن پاروں کی طرف مائل ہے جو کم سے کم الفاظ میں گہری معنویت اور فوری تاثر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ادب کی اسی ضرورت نے "مائیکرو فکشن" یا "مختصر ترین افسانے" کی صنف کو جنم دیا ہے، اور یہ صنف اپنی ہیئت اور مزاج کے اعتبار سے سائنسی موضوعات کے اظہار کے لیے غیر معمولی امکانات کی حامل ہے۔ مائیکرو فکشن، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، کہانی کی مختصر ترین شکل ہے۔ اس کی بنیادی شرط الفاظ کا انتہائی محتاط اور کفایت شعار استعمال ہے۔ تین سو یا اس سے بھی کم الفاظ پر مشتمل اس بیانیے میں ہر لفظ کو معنی کی کئی تہوں کو سمیٹنا ہوتا ہے تاکہ ایک مکمل افسانوی فضا، کردار کا خاکہ اور کہانی کا تاثر پیدا کیا جا سکے۔ غلام مصطفیٰ اس صنف کی فنی نزاکت اور چیلنج کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تین سو الفاظ کے افسانے میں گنے چنے اور منتخب الفاظ ہوں جو معنی کی تمام تر تہ داری کو سمیٹ لیں اور ان میں ایک مکمل افسانوی پن اپنے تمام تر محاسن کے ساتھ موجود ہو۔ بلکہ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ مختصر ترین افسانہ یا مائیکرو فکشن اپنی ہئت میں افسانے سے زیادہ مشکل ہے۔"([19])

یہی فنی سختی اور جامعیت مائیکرو فکشن کو سائنسی موضوعات کے لیے ایک انتہائی موزوں صنف بناتی ہے۔ سائنس فکشن کا مقصد اکثر ایک بڑے سائنسی نظریے یا کسی تکنیکی ایجاد کے ممکنہ اثرات کو ایک واحد، طاقتور خیال یا تصویر کے ذریعے پیش کرنا ہوتا ہے۔ طویل ناولوں میں جہاں اس خیال کے گرد تفصیلی پلاٹ، کردار نگاری اور دنیا سازی (World-building) کی جاتی ہے، وہیں مائیکرو فکشن اس خیال کے جوہر (Essence) کو کشید کر کے قاری کے ذہن پر ایک فوری اور گہرا اثر مرتب کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مصنوعی ذہانت کے انسان پر غالب آنے کا خوف، کلوننگ سے پیدا ہونے والے شناختی بحران، یا ٹائم ٹریول کے کسی ایک لمحے کا تضاد (Paradox)، ان تمام موضوعات کو ایک مختصر ترین افسانے میں انتہائی مؤثر طریقے سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

آج کے دور کی ایک اور حقیقت یہ ہے کہ ٹیکنالوجی خود "مائیکرو" ہوتی جا رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی چپ میں لاکھوں کتابوں کا مواد سما سکتا ہے، اور ایک یو ایس بی میں پوری لائبریری محفوظ کی جا سکتی ہے۔ یہ رجحان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آج کا دور تفصیل کے بجائے جامعیت کا ہے۔ غلام مصطفیٰ اس نکتے کو ادب پر منطبق کرتے ہیں:

"ہمارے عہد کی بے شمار مصروفیات ہم سے مختصر سے مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ کام انجام دے لینے کا تقاضہ کرتی ہیں۔ لہذا اس ضرورت کے تحت دنیا کی تمام تر ایجادات مائیکرو

ہوتی جارہی ہیں۔۔۔لہذا کہانیوں کا بھی وقت کے تقاضے کی سبب مائکرو ہونا فطری ہے۔"
(20)

اردو ادب اگر سائنسی موضوعات اور عالمی ایجادات کی دنیا سے خود کو ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے اظہار کے سانچوں پر بھی نظر ثانی کرنی ہو گی۔ بڑی بڑی مشینوں اور پیچیدہ سائنسی نظریات پر ضخیم ناول لکھنے کے بجائے، ان کے کسی ایک پہلو یا ایک چھوٹے سے پرزے کے انسانی زندگی پر اثرات کو موضوع بنا کر ایک طاقتور مائیکرو فکشن تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ یہ نہ صرف آج کے قاری کی مصروفیات اور ذہنی رجحان کے عین مطابق ہو گا، بلکہ یہ اردو سائنس فکشن کو ایک نئی، جدید اور عالمی سطح پر قابلِ قبول ہیئت بھی عطا کرے گا۔ یوں، مائیکرو فکشن کا مختصر بیانیہ سائنسی تخیل کی وسیع کائنات کو سمیٹنے کے لیے ایک طاقتور عدسے (Lens) کا کام کر سکتا ہے، جو ایک نقطے پر توجہ مرکوز کر کے قاری کو فکر و خیال کی نئی کہکشاؤں کی سیر کرانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

سائنس فکشن محض تخیل کی پرواز یا تفریح طبع کا سامان نہیں، بلکہ یہ اپنے گہرے مفہوم میں مستقبل کا وہ آئینہ ہے جس میں حال کی سائنسی اور سماجی روش کے ممکنہ عکس دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جو ادب کے روایتی دائروں سے نکل کر ایک اطلاقی (Applied) پہلو اختیار کر لیتی ہے اور معاشرے کے لیے ایک انتباہی نظام (Early Warning System) کا فریضہ سر انجام دیتی ہے۔ اس تناظر میں، اردو سائنس فکشن نگار کا کردار محض ایک قصہ گو کا نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک سماجی مفکر، مستقبل بین اور تہذیبی نقاد کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جس کی ذمہ داری اپنے قارئین کو آنے والے کل کے چیلنجز اور امکانات سے آگاہ کرنا ہے۔

ادب کی دیگر اصناف جہاں ماضی اور حال کے تجربات کو جمالیاتی ترتیب دیتی ہیں، وہیں سائنس فکشن مستقبل کا تصور پیش کرتا ہے۔ یہ تصور محض خیالی یا بے بنیاد نہیں ہوتا، بلکہ اس کی جڑیں حال کی سائنسی پیشرفت اور سماجی رجحانات میں پیوست ہوتی ہیں۔ ایک سائنس فکشن نگار ان رجحانات کا گہرا مشاہدہ کر کے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اگر یہ اسی سمت میں بڑھتے رہے تو مستقبل کی دنیا کیسی ہو گی۔ امریکی سائنس فکشن کے پروفیسر اسحاق آسیموو اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> "اگر سائنس فکشن فرار کا نام ہے تو یہ ہجرت ہم حقیقت کی طرف کر رہے ہیں۔ سائنس فکشن ادب کی وہ شاخ ہے جو سائنسی ترقی، پیش رفت اور تبدیلی کے لیے انسانوں کے رد عمل کی شکل میں سامنے آتا ہے۔"(21)

اس قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سائنس فکشن کا بنیادی سروکار ٹیکنالوجی کے انسانی معاشرت، اخلاقیات اور نفسیات پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ اردو سائنس فکشن نگار کا سماجی کردار یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرے کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا ہم ٹیکنالوجی کو انسانی فلاح کے لیے استعمال کر رہے ہیں یا اس کے غلام بنتے جارہے ہیں؟ کیا مصنوعی ذہانت، جینیٹک انجینئرنگ اور ڈیجیٹل نگرانی جیسی ایجادات ایک بہتر مستقبل (Utopia) کی طرف لے جائیں گی یا ایک بھیانک اور غیر انسانی معاشرے (Dystopia) کو جنم دیں گی؟ تسنیم جعفری اپنے ادبِ اطفال میں سائنس کے مثبت اور منفی، دونوں پہلوؤں کو اجاگر کر کے اسی سماجی ذمہ داری کو نبھا رہی ہیں۔ وہ بچوں کو نہ صرف سائنسی ایجادات سے متعارف کراتی ہیں بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہونے والی تباہی، مثلاً ایٹم بم کے نقصانات، سے بھی آگاہ کرتی ہیں۔

سائنس فکشن کا اطلاقی پہلو اس کی پیش بینی کی صلاحیت میں مضمر ہے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جہاں سائنس فکشن نگاروں نے دہائیوں پہلے ایسی ایجادات کا تصور پیش کر دیا تھا جو بعد میں حقیقت بن گئیں۔ موبائل فون، انٹرنیٹ، آبدوز جہاز، اور سی سی ٹی وی کیمرے، یہ سب اپنی حقیقی ایجاد سے قبل کسی نہ کسی سائنس فکشن کی کہانی میں موجود تھے۔ بقول خورشید اقبال:

> "ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ذیل میں چند ایسی ہی مثالیں درج کی جا رہی ہیں جو آج کے دور کی عظیم ایجادات میں سے ہیں لیکن آپ یہ دیکھئے کہ ان کا concept کہاں سے اور کب آیا۔" (22)

یہ پیش گوئیاں محض اتفاق نہیں ہوتیں، بلکہ یہ تخلیق کار کی گہری سائنسی بصیرت اور منطقی استدلال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اردو سائنس فکشن نگار بھی اسی اطلاقی کردار کو اپنا کر اپنے معاشرے کو مستقبل کے لیے تیار کر سکتا ہے۔ وہ آج کے سائنسی رجحانات کا تجزیہ کر کے کل کی ممکنہ دنیا کا نقشہ کھینچ سکتا ہے، جس سے نہ صرف عام قاری بلکہ پالیسی ساز، سائنسدان اور ماہرینِ تعلیم بھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر ابو بکر عباد فکشن کی اسی دائمی اور رہنما حیثیت پر زور دیتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ فکشن اپنے عہد اور اس کی سچائیوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور نسلاً بعد نسل انسانی ذہنوں میں منتقل ہوتا جاتا ہے۔

الغرض، اردو سائنس فکشن نگار کا سماجی کردار محض کہانیاں تخلیق کرنا نہیں، بلکہ فکر کو مہمیز دینا، مکالمے کو جنم دینا اور اجتماعی شعور کو بیدار کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ دکھانے کا عمل ہے جس میں معاشرہ نہ صرف اپنے مستقبل کا عکس دیکھ سکتا ہے بلکہ اسے سنوارنے کے لیے بروقت اقدامات بھی کر سکتا ہے۔ جس طرح اردو کی دیگر اصناف نے سماجی اصلاح اور سیاسی بیداری میں تاریخی کردار ادا کیا ہے، اسی طرح سائنس فکشن بھی اپنے اطلاقی پہلوؤں کے ذریعے اکیسویں صدی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے اردو معاشرے کی رہنمائی کا فریضہ پوری طرح انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اکیسویں صدی کے چیلنجز نے اردو سائنس فکشن کے لیے امکانات کے نئے آفاق کھول دیے ہیں۔ مصنوعی ذہانت، بائیو ٹیکنالوجی، ڈیجیٹل نگرانی اور ماحولیاتی بحران ایسے موضوعات آج کے ادیب کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔ مزید برآں، مائیکرو فکشن جیسی جدید اصناف سائنسی تصورات کے مؤثر ابلاغ کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1] Amis, Kingsley. New Maps of Hell. Arno Press، New York. (1975) p. 18

[2] Cambridge Academic Content Dictionary, 2012، بحوالہ خورشید اقبال، "اردو میں سائنس فکشن کی روایت"، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2015ء، ص 12

[3] خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2015ء، ص 37

[4] ایضاً، ص 70

[5] مقدس اسد، "ادب اطفال اور جدید رجحانات: تسنیم جعفری کے منتخب ناولوں میں ہارڈ اور سافٹ سائنس فکشن"، مقالہ برائے ایم فل اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2024ء، ص 17

[6] خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، ص 132

[7] ایضاً، ص 133

[8] ایضاً، ص138

[9] () محمد فیصل، سائنس فکشن کی مختصر تاریخ اور ابنِ صفی کے ناول، مشمولہ: ماہنامہ قومی زبان، کراچی، جولائی 2022ء، ص275

[10] () خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، ص135

[11] ایضاً، ص141

[12] ڈاکٹر ارشد اویسی، مریخ سے ایک پیغام اور ماحول سے دوستی کیجیے، ایک مطالعہ، مضمون مشمولہ: پھول پبلی کیشنز، لاہور، ستمبر 2019ء، ص۳۳

[13] جم واکر، بحوالہ خورشید اقبال، "اردو میں سائنس فکشن کی روایت"، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2015ء، ص130

[14] خورشید اقبال، اردو میں سائنس فکشن کی روایت، ص124-125

[15] ابو بکر عباد، "عصر حاضر میں سائنس، سیاست اور فکشن"، مشمولہ: ماہنامہ قومی زبان، کراچی، فروری 2023ء، ص81

[16] ایضاً، ص82

[17] ایضاً، ص78

[18] ایضاً، ص83

[19] غلام مصطفیٰ، "سائنسی فکشن مائیکرو فکشن کے خصوصی حوالے سے"، مشمولہ: سہ ماہی تاریخ ادب اردو، دہلی، جلد 3، شمارہ 4، اکتوبر دسمبر 2021ء، ص60

[20] ایضاً، ص59

[21] پروفیسر اسحاق آسیمو، بحوالہ عابد نور والا مین وانی، "اُردو ادب اور سائنس فکشن: ایک مطالعہ"، مشمولہ: اردو اسکالرز کی دنیا، جلد 7، شمارہ 1، فروری 2019ء، ص79

[22] خورشید اقبال، "اردو میں سائنس فکشن کی روایت"، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2015ء، ص40

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Amis, Kingsley. New maps of hell, Arno press, New York (1975) p. 18
2. Cambridge academic content dictionary, 2012, bahawala Khurshid Iqbal ," Urdu mein science fiction ki riwayat", Arshia pblikashnz, Dehli , 2015, p. 12
3. Khurshid Iqbal , Urdu mein science fiction ki riwayat, Arshia pblikashnz, Dehli , 2015, p 37
4. Ibid, p 70
5. Muqaddas Asad ," Adab e Atfaal aur jadeed rujhanaat : Tasneem jafferi ke muntakhib navlon mein hard aur soft science fiction ", maqalah baraye am full urdu, national university of modern languages, islamabad, 2024, p17
6. Khurshid iqbal , urdu mein science fiction ki riwayat, p 132
7. Ibid, p 133
8. Ibid, p 138
9. Mohammad Faisal , science fiction ki mukhtasir tareekh aur ibn-e safi ke novel, mashmola: mahnamh Qaumi Zabaan, karachi , july 2022, p 275
10. Khurshid iqbal , urdu mein science fiction ki riwayat, p 135
11. Ibid, p 141
12. Dr Arshad Avaisi, Mareekh se aik pegham aur mahol se dosti kiijiye, aik mutalea, mazmoon mashmola: phool pblikishnz, lahore , september 2019 hamza, p 33
13. Jim Vakr, bahawala Khurshid Iqbal ," Urdu mein science fiction ki riwayat ", arshia pbli kishnz, dehli , 2015, p 130
14. Khurshid Iqbal , Urdu mein science fiction ki riwayat, p 124-125
15. Abubaker Ibad ," Asar haazir mein science, siyasat aur fiction ", mashmola: mahnamh Qaumi Zabaan, Karachi , feb 2023 Hamza, p 81
16. Ibid, p 82

17. Ibid, p 78
18. Ibid, p 83
19. Ghulam mustafa," Scienci fiction micro fiction ke khusoosi hawalay se ", mashmola: sah mahi Tareekh Adab Urdu, Dehli , jald 3, shumara 4, October Decemeber 2021, p 60
20. Ibid, p 59
21. Professor ishaq Aseemo, bahawala Abid Noor ul Ameen Vani," Urdu adab aur science fiction : aik mutalea ", mashmola : urdu scholars ki duniya, jald 7, shumara 1, feb 2019, p 79
22. Khurshid iqbal ," Urdu mein science fiction ki riwayat ", Arshia pbli kishnz, Dehli , 2015, p 40